



ابدی کتاب

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

انسان کی ہدایت کے لیے بہت سے قانون ہدایت اللہ تعالیٰ نے نازل کئے مگر ان کے پیروکاروں اور مخالفین نے ان میں تبدیلی کر ڈالی اور اپنی طرف سے جہت سے کسی پیشگی جھگڑی کوئی کتاب بھی اپنی اصلی حالت میں نہیں ایک قرآن کریم وہ ابدی کتاب ہے جس کا ایک ایک لفظ اور ایک ایک حرف تک جوں کا توں محفوظ ہے جس کا اعتراض خود اس کے مخالفین نے بھی کیا ہے۔

قرآن سے پہلے کے آسمانی صحیفے ہمیشہ تحریف و تبدیلی کا نشانہ اور تلف و تباہی کا شکار بننے رہے ہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے حفظ و بقا کی کوئی ذمہ داری خود نہیں لی تھی بلکہ اسے ان کے علماء و حاملین کے سپرد کر دیا تھا۔ اس کے علاوہ بشریت اور ان کی فحشاءات و امور کی ضرورت ایک عرصہ ہی کے لئے رہی۔

”بے شک ہم نے تواریت نازل فرمائی جس میں ہدایت اور روشنی ہے۔ اسی کے مطابق انبیاء جو (خدا کے) فرمان بردار تھے یہودیوں کو حکم دیتے رہے ہیں۔ اور مشائخ اور علماء بھی، کیونکہ وہ کتاب خدا کے نگہبان مقرر کئے گئے تھے۔ اور اس پر گواہ تھے، (یعنی الہی کا یقین رکھتے تھے) (المائدہ)

اور یہ تاریخی طور پر ثابت اور ایک علمی حقیقت ہے جس کا اعتراف خود ان امتوں اور فرقوں نے کیا ہے جن کے پاس یہ صحیفے آئے تھے۔ عہد عتیق کے صحیفے برابر غارت گری اور آتشزدگی کا کھلے طور پر نشانہ بنتے رہے ہیں۔ اور خود یہودیوں سے مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ تاریخ میں تین بار ایسے مواقع پیش آئے ہیں۔

پہلی بار جب بخت نصر NEBUCHADREZZAR (۵۶۲-۵۶۱ ق م) بابل کے بادشاہ نے یہودیوں پر ۵۸۶ ق م میں حملہ کیا اور بیت المقدس کو آگ لگا دی جس میں حضرت سلیمان نے توریت کی تختیاں اور آل موسیٰ و آل ہارون کے تبرکات محفوظ کر لیے تھے اور جو یہودی قتل سے بچ گئے انہیں وہ قید کر کے بابل لے گیا۔ جہاں وہ پچاس سال تک رہے۔ اور عزرا بنی نے پانچ پہلے صحیفوں کو جو ”تورہ“ کہلاتے ہیں۔ اپنے حافظہ سے دوبارہ لکھوایا اور دقائق کو تارخچے اسلوب میں لکھا پھر نحمیا نے کتابوں کے دوسرے سلسلے کا اضافہ کیا اور داؤد کی زبور کو بھی ملحق کیا۔

دوسری بار جب انطیوخوس چہارم (ANTIOCHUS) نے جس کا لقب بیتھانس تھا۔ اور جو یونانی انطاکیہ کا بادشاہ تھا بیت المقدس پر ۱۶۸ ق م میں حملہ کیا اور صحیفہ مقدسہ کو جلا دیا اور تواریت کی تلاوت اور یہودی شعائر و روایات کو حکماً روک دیا یہود اقمالی نے مقدس صحیفوں کو پھر سے جمع اور مرتب کرنا شروع کیا۔ اور عہد عتیق میں صحیفوں کے تیسرے سلسلے کا اضافہ کیا۔

تیسری بار ٹائٹس (TITUS) (۷۰-۸۱ م) رومن بادشاہ نے بیت المقدس پر ۷۰ م ستمبر ۷۰ء کو حملہ کیا اور اس کو مکمل سلیمان سمیت برباد کر کے اس کو دیرانے اور بلع میں تبدیل کر دیا اور مقدس صحیفوں پر قبضہ کر کے فتح کی یادگار کے طور پر اپنے رومی دارالحکومت لیتا گیا۔ اور یہود کو جلا وطن کر کے شہر کے گرد دوسروں کو بسا دیا۔ تفصیل کے لئے مقدس صحیفوں کی تاریخ کی کتابیں اور بیوش انسائیکلو پیڈیا مل جاتے ہوں۔

پیغمبروں کے ان صحیفوں اور آسمانی کتابوں کی صحت و حفاظت، اور مطابق اصل ہونے کے بارے میں یہودیوں کا معیار اور نقطہ نظر، اس معیار اور نقطہ نظر سے قطعاً مختلف ہے جو مسلمانوں کا قرآن مجید کے بارے میں ہے۔ مسلمان قرآن

مجید کے ہر لفظ کو کلام الہی، منزل من اللہ اور اپنے زمانہ نزول سے لے کر اس وقت تک محفوظ مانتے ہیں۔ یہودیوں کے نزدیک ان کتابوں میں ترمیم و کمی بیشی ان کی آسمانی کتابیں ہونے کے منافی نہیں۔ وہ انبیاء کو ان کا مصنف کہنے میں بھی کوئی حرج نہیں سمجھتے ہیں۔ مندرجہ ذیل اقتباسات سے یہودیوں کے عقیدہ اور طرز فکر اور اپنی کتب مقدس کے بارے میں نقطہ نظر کا کسی قدر اندازہ ہو سکتا ہے۔ ممتاز ترین یہودی فضلا اور ماہرین فن کی تیار کی ہوئی یہودی انسائیکلو پیڈیا میں ہے:

یہودی روایات اگرچہ اس پر مصر میں کہ عہد نامہ قدیم انہیں کردار کی تصنیف ہے۔ جو ان میں مذکور ہیں اور یہ قطعاً غیر مناسب بھی نہیں ہے۔ مگر انہیں یہ ماننے میں کوئی تامل نہیں ہے کہ ان میں سے بعض کتابوں میں بعد میں ترمیم و اضافہ کیا گیا ہے (جیوش انسائیکلو پیڈیا ۱۹۵۷ء) "قدیم یہودی روایات کے مطابق توریت کی پہلی پانچ کتابیں آخری آٹھ آیات کو چھوڑ کر جن میں موسیٰ کی موت کا ذکر ہے) موسیٰ کی تصنیف ہیں۔ لیکن ان صحیفوں کے متعدد تناقص اور اختلافات کی جانب رقی برابر توجہ دیتے اور اپنی خوش تدبیری سے انہیں درست کرتے رہے ہیں (جیوش انسائیکلو پیڈیا ج ۹ ص ۵۱۹) "اسپینوزا (SPINOZA) کا کہنا ہے کہ عہد نامہ قدیم کی پہلی پانچ کتابیں موسیٰ کی نہیں عذرا کی تصنیف ہیں۔" (ایضاً)

"جدید ترین تحقیق نے آخر کار یہ قطعی طور پر ثابت کر دیا ہے کہ عہد نامہ قدیم کی پہلی پانچ کتابیں کم از کم ۲۸ مختلف سرچشموں سے ماخوذ ہیں۔" (ایضاً)

جہاں تک اناجیل اربعہ کا سوال ہے (جو عہد جدید کہی جاتی ہیں) تو ان کا معاملہ ”عہد عتیق سے بھی گیارہ گزرا ہے۔ اس کی تدوین اور اس کے مولفین کے بارے میں بڑی پیچیدگیاں اور دشواریاں اور شک و شبہ پایا جاتا ہے اور ان کے اور حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے درمیان ایک بڑی خلیج حائل ہے جس کا پائنا اور جسے عبور کرنا کسی بھی محقق اور مورخ کے امکان میں نہیں۔ رہ گیا ہے یہ انجیلیں دینی کونسلوں اور مختلف زمانوں میں برابر تغیر و تبدیلی اور اصلاح و ترمیم کا نشانہ بنتی رہی ہیں۔ اس کے علاوہ آسمانی کتابیں اور وحی والہام پر مبنی ہونے کے بجائے سیر و سوانح اور واقعات و حکایات کی کتابیں زیادہ معلوم ہوتی ہیں۔ اور اس کی شہادت ہر وہ شخص دے گا جس کی ان کی تاریخ و ادوار پر وسیع ادراک ہر سی نظر ہوگی۔ جن سے یہ کتابیں گزرتی رہی ہیں۔

یہ انجیلیں مسلمانوں کے دوسرے اور تیسرے درجہ کے مجموعہ ہائے حدیث و سنن کا اسناد اور اعتماد و اعتبار بھی نہیں رکھتیں۔ چرچائیے کہ وہ صحاح ستہ کے برابر ہوں۔ اسلئے کہ یہ کتابیں اپنے مولفین سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مسلسل اور متصل سند اور سلسلہ رکھتی ہیں مسلمانوں کے نزدیک حدیث صحیحہ ہے جو معتبر راویوں کی پوری احتیاط و دیانتداری کے ساتھ سند متصل کے ساتھ نقل ہوئی ہو۔ اور جس کے راویوں اور خود اس روایت میں کوئی عیب اور نقص (علت و دشند و ذمہ نہ ہو۔ اس کے برخلاف تمام اناجیل، سند کی تمام قسموں سے خالی ہیں۔ ان کے مولفین تک کوئی سند متصل نہیں۔ اور نہ ان کے مولفین سے حضرت عیسیٰ تک کوئی سند موجود ہے۔

اس کے علاوہ ہمارے ہاتھوں میں جو صحیفے ہیں۔ وہ اب اس زبان میں نہیں ہیں۔ جن میں وہ نازل ہوئے تھے۔ اور جسے حضرت مسیح اور ان کی قوم بولتی

تھی۔ بلکہ وہ ایک زبان سے دوسری زبان میں برابر ترجمہ ہوتے چلے آ رہے ہیں۔ اور مختلف مترجموں کے ہاتھوں..... ہم تک پہنچے ہیں۔ اس لئے یہ درحقیقت سیرت و تاریخ کی کتابیں اور قصصِ موعظ کے مجموعے ہیں۔ اگر انہیں احتراماً مسلمان عوام میں پھیلے ہوئے میلادناموں سے یاد نہ کریں تو انہیں زیادہ سے زیادہ چوتھے نمبر کی کتبِ حدیث کا درجہ دیا جا سکتا ہے۔ جن میں صحت و تحقیق کا ملذمعار قائم نہیں رہا۔ انہیں سب حقائق کے پیش نظر ان صحیفوں اور قرآن کا موازنہ

اور مقابلہ ہے ہی نہیں اور مقابلہ تو ایک درجے کی چیزوں میں ہوتا ہے
نوسلم فرانسیسی مستشرق موسیوایتین دینے EATON DIEN نے ان
اناجیل کے تعارف اور ان کے علمی و تاریخی مقام کی تعیین کرتے ہوئے خوب لکھا ہے کہ:

”اللہ نے جو انجیل حضرت عیسیٰ کو ان کی اور ان کی قوم کی زبان میں
دی تھی وہ تو کوئی شک نہیں کہ ضائع ہو چکی ہے۔ اور اب اس کا
کوئی نام و نشان بھی نہیں رہ گیا ہے۔ یادہ خود تلف ہو گئیں یا
عمداً تلف کر دی گئیں۔ اسی وجہ سے عیسائیوں نے اس کی جگہ
چار ”تالیفات“ کو اپنا لیا۔ جن کی صحت اور تاریخی حیثیت مشکوک
ہے۔ کیونکہ یہ یونانی زبان میں ملتی ہیں جس کا مزاج حضرت
عیسیٰ کی اصل سامی زبان سے کوئی مطابقت نہیں رکھتا۔ اس لئے
ان یونانی انجیلوں کا اپنے اتارنے والے سے رشتہ اور رابطہ یہود کی
توریت اور عربوں کے قرآن سے کہیں کمزور ہے۔“

بائبل کی داخلی شہادتیں بھی اس کی مرید تاریخی غلطیوں، واضح تفادات
اور عقلاً محال چیزوں کی طرف اشارے کرتی ہیں جیسے اس میں اللہ کی
طرف ان چیزوں کا انساب کیا گیا ہے۔ جو اس کے جلال و کمال کے

کسی طرح شایانِ شان نہیں، اور نہ اس کی ان صفات ہی کے مطابق ہیں۔ جو آسمانی مذاہب میں متفق علیہ ہیں۔ اور جنہیں عقل سلیم کو قبیح ہے اس میں انبیاء پر ایسے اتہام و الزام ہیں جن سے معمولی انسان بھی بری اور برتر ہوتے ہیں۔ ان کے علاوہ کبھی بہت سے داخلی شواہد تورات و انجیل میں (جنہیں مجموعی طور پر بائبل (BIBLE) یا کتاب مقدس کہا جاتا ہے) الحاق و اضافہ اور تبدیلی کی نشان دہی کرتے ہیں۔ اپنے موضوع پر منفرد کتاب ”اظہار الحق“ جو مولانا رحمت اللہ کرانوی

(۱۳۰۸ھ و مدفون مکہ مکرمہ) کے قلم سے ہے، ملاحظہ ہو، مصنف نے کتاب مقدس کے ۱۲۳ لفظی اختلافات کی نشان دہی کی ہے اور ۱۰۸ ایسی غلطیاں شمار کی ہیں جن کی کوئی تاویل نہیں ہو سکتی۔

”اظہار الحق“ اصلاً عربی زبان میں ہے۔ ہمارے فاضل دوست مولانا محمد تقی عثمانی نے اس کا ترجمہ کر دیا اور اس پر ایک فاضلانہ مقدمہ لکھا، یہ کتاب کراچی سے ”بائبل سے قرآن تک“ کے نام سے تین جلدوں میں شائع ہو گئی۔ یہ ان کے صحیفوں کا حال ہے جن کو ان کے ماننے والے ہزاروں برس سے سینوں سے لگائے ہوئے ہیں۔ اور دنیا کی دو تمدن ترین قومیں (سینودی اور عیسائی) ان کی حلقہ جگوش اور علمبردار ہیں۔ اور اسلام اور مسلمانوں نے بھی ان کو اس حد تک تسلیم کیا ہے کہ ان دونوں کو ”اہل کتاب“ کا لقب اور امتیاز دیا۔ باقی رہے ہندوستان کے ”وید“ اور ایران کی ”اوستا“ تو ان کا زمانہ اتنا قدیم ان کے بارے میں تاریخی معلومات اس قدر کم، اور ان کے اصل مطالب اور حقیقت سے قاصد تک پہنچنا اس قدر دشوار ہے۔ اور ان کے ساتھ کبھی ایسے تاریخی حوادث پیش آئے کہ ان کی محنت اور بھی مشکوک اور ان کے زمانہ کا تعین اور بھی دشوار اور

ان کے متعلق کچھ کہنا اور بھی مشکل ہو گیا ہے۔

اے بارتھ (A. BARTH) ممبر رائل سوسائٹی برائے ایشیا پریس
(THE SOCIETE ASIATIQUE OF PARIS) اپنے کتاب
”ہندوستانی مذاہب“ THE RELIGIONS OF INDIA میں
لکھتا ہے :-

”اگر ہم کچھ الحاقی مواد الگ کر دیں، جسے تنقید کے ذریعہ جدا کرنا مشکل
ہیں ہے تو پھر اس صحیفہ کی بحیثیت مجموعی صرف اصل عبارت باقی
رہ جاتی ہے، جیسا کچھ یہ ہے۔ بس اسی کا دعویٰ بھی کرتا ہے۔ یعنی نہ تو
یہ منجانب خدا ہونے کا مدعی ہے اور نہ کسی مصنوعی طریقہ پر اپنی عمر
جی پوشیدہ رکھتا ہے۔ اس کی عبارت میں بہ کثرت اضافے اور
تخریفات کی گئی ہیں۔ لیکن یہ سب نیک نیتی کے ساتھ کیا گیا ہے۔ پھر بھی
ان صحیفوں کی عمر کا تعین کرنا یا اندازہ لگانا بہت مشکل ہے برہمن
(BRAHMANAS) وہ حصے جو سب سے بعد میں تحریر
کئے گئے ہیں، وہ ہمارے عہد کی ابتدا سے پانچ سو سال سے زیادہ پرانے نہیں ہیں۔
دیدوں کا بقیہ مواد اس سے بھی قدیم ہے۔ اس قدیم کہ
ستعین طور پر اس کے متعلق کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ اور اس کے
قدیم ترین تحریروں کے بارے میں تو کچھ کہنا بالکل ناممکن ہے۔“
خود ممتاز ہندو فضلاء اور ہندوستانی ماہرین فن و محققین ان صحیفوں کے
متعلق کیا رائے رکھتے ہیں، اور ان کی بے لاگ تحقیق اور فکر و نظر نے ان کو کس
نتیجہ تک پہنچایا ہے اس کا اندازہ ذیل کے دو اقتباسات سے ہوگا۔
مشہور فاضل سر ریش چندر چکرورتی لکچرہ راکلتہ یونیورسٹی اپنی

کتاب PHILOSOPHY OF THE UPANISHADS لکھتے ہیں:

”اس سلسلہ میں دو مختلف نظریات پیش کئے گئے ہیں ان میں سے ایک کی نمائندگی بال گنگا دھرتک کرتے ہیں اور دوسرے کی مکس ملر MEX MULLER تک کا خیال ہے کہ ویدوں کے مناجات ۴۵۰۰ سال قبل مسیح وجود میں آئے — جب کہ مکس ملر MEX MULLER رگ وید کو ۲۲۰۰ سال قبل مسیح سے زیادہ قدیم نہیں سمجھتا حالانکہ وہ اس پر متفق ہے کہ رگ وید آریائی ٹیکو و خیال کی قدیم ترین دستاویز ہے.... رگ وید کی عمر کا تعین کئے بغیر یہ اعتماد کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ اگرچہ رگ وید کے مناجات ایک مجموعہ میں منضبط کر دیئے گئے ہیں۔ لیکن اس کے مختلف حصے ایک ہی زمانے میں تحریر نہیں کئے گئے تھے۔ اور اس لئے ان کی تاریخ تحریر کا تعین کر کے رگ وید کی عمر کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا، یہ ماننا پڑے گا کہ رگ وید کے اول سے آخر تک تمام مناجات کئی صدیوں میں تصنیف کئے گئے تھے۔“ (۲۹-۲۴)

ویدوں کے بنیادی فکر پر روشنی ڈالتے ہوئے نامور ہندوستانی عالم ڈاکٹر رادھا کرشنن (ہندوستان کے سابق صدر جمہوریہ) اپنی مشہور کتاب ”انڈین فلاسفی“ جلد دوم میں لکھتے ہیں:-

”ویدوں کا پیش کردہ مجموعی فکری تصور نہ تو معین ہے اور نہ واضح، اور اس وجہ سے مختلف مکاتب فکر اسے مختلف طریقوں سے استعمال کر سکتے ہیں علاوہ ازیں ویدوں کی وسعت میں

بذاتِ خود اس امر کی پوری گنجائش موجود ہے کہ مصنفین پوری سے آزادی کے ساتھ اپنے اعتقاد کے مطابق اس سے اپنے حسبِ منشا سنا لے سکتے ہیں۔“ (ص ۲۱-۲۲)

ربا ایران قدیم کا مذہبی صحیفہ (اوستا) جس کو پارسی مقدس آسمانی کتاب مانتے ہیں، تو اس کے متعلق ایک ایسے مغربی فاضل کی شہادت پیش کی جاتی ہے جس کے مطالعہ کا یہ خاص موضوع رہا ہے۔

رابرٹ ایچ پگٹنفر (سابق) صدر شعبہ سامی لسانیات ہارڈورڈ یونیورسٹی این انسٹیٹیوٹ یا آف ریلیجن میں لکھتے ہیں،

”اہلِ اوستا (مطابق روایات) تمام علوم کا مجموعہ تھا۔ اس کا زیاہ

حصہ سکندر نے برباد کر دیا اور بچے بچے اجزاء سے ۲۱ حصوں یا

لک (NASK) پر مشتمل ایک کتاب تیسری صدی عیسوی میں ترتیب دی گئی۔ لیکن اس میں سے کل ایک جز یا لک (NASK)

جس کا نام وندییداد (VENDIDAD) ہے پوری طرح باقی

بچا ہے، نویں صدی عیسوی کے بعد صرف عبادات سے متعلق کچھ

حصہ ہندوستان لے جایا گیا اور وہاں پانچ حصوں میں پایا

جاتا ہے جن کے نام ”یاسنا“ (YASNA) لٹولی گا تھا (GATHA)

ولیسپرد (VESPERED) وندیید (VENDID) اور خورد

اوستا (KHORDA AVASTA) ہیں“

لیکن قرآن مجید جو اللہ کی نازل کردہ کتابوں میں سب سے آخری کتاب اور

سب کا مصداق و نگر ال ہے، اور جس پر انسانیت کی ہدایت، مخلوق کا خالق

سے رابطہ اور بعثت محمدی سے قیامت تک دعوت الی اللہ کی ذمہ داری

ہے۔ تو اس کی شان دوسری آسمانی کتابوں سے بالکل مختلف ہے اور اس کی بات ہی کچھ اور ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود اس کی حفاظت اور ہر قسم کی تحریف و تبدیلی کمی اور زیادتی سے دور رکھنے کا ذریعہ لیا اور فرمایا ہے:-

اور یہ تو ایک عالی مرتبہ کتاب ہے، اس پر جھوٹ کا دخل نہ آگے سے ہو سکتا ہے اور نہ پیچھے سے (اور) دانا (اور) خوبیوں

والے "خدا" کی آمار کی ہوئی ہے (حکم السجدہ ۷)

اسی طرح سے نسخہ ہونے اور کسی ہرزہ کاری کا نشانہ بننے حافظہ سے نکل جانے اور سینوں سے محو ہوجانے یا کسی حادثہ میں معدوم ہو جانے سے بھی محفوظ کر دیا گیا ہے۔ جیسا کہ توراۃ کے بارے میں بارہا پیش آیا۔ اسی لئے فرمایا،

بے شک یہ (کتاب) نصیحت ہم ہی نے آمار کی ہے۔ اور ہم ہی اس

کے نگہبان ہیں۔ (المجادہ ۳)

اس وعدہ حفاظت میں قرآن کے حفظ و بقا، اشاعت و فروغ، تلاوت کے جانے، پڑھنے اور سمجھے جانے، متروک و ازکار رفتہ، و ناقابل عمل، ناقابل فہم اور نقشر طاق نسیان ہو جانے کی پوری نفی موجود ہے، اس لئے کہ عربی کا بلیغ لفظ "حفظ" بڑے وسیع آفاق اور عمیق معانی رکھتا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو اس کی اصلیت اور اس کے تمام لوازمات کے ساتھ (جیسا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھی، باقی رکھنے کا فیصلہ کر لیا تو اس کے لئے اللہ نے نفوس بشری، فطری اور خارجی اسباب اور حوادث عالم کو اس مقصد جلیل کی تکمیل میں لگا دیا۔ چنانچہ جیسے ہی قرآن کی کوئی آیت زبان نبوت سے نکلتی اور کانوں میں اس کی آواز مڑتی۔ مسلمان اسے حرز جان بنانے اور دل پر نقش اور حافظہ میں محفوظ کرنے کے لئے پروانہ وار کرتے، اس مسابقت میں اس فطری محبت کو بھی دخل تھا، جو قرآن کی طرف سے ان کے

دلوں میں رکھی گئی تھی۔ اور خود قرآن کے اعجاز و بلاغت اور اس کے الفاظ و تلفظ کی نرمی و حلالت کے علاوہ حفاظ و حاملین قرآن کے فضائل کی آیات و متواتر احادیث کو بھی دخل تھا۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کو قرآن سے نماز و عبادت قانون و احکام تمدن و معاشرت اور علم و ادب کے مختلف پہلوؤں کے ذریعہ متعلق کر دیا گیا تھا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن سے مسلمانوں کا قلبی تعلق، عشق و دانستگی کی حد کو پہنچ گیا۔ اور آغا اسلام ہی سے ان میں حفاظ کی حیرت انگیز کثرت ہو گئی۔ چنانچہ واقعہ بیر معوز میں جو سترہ میں پیش آیا۔ مسلمانوں میں سے ایسے سترہ آدمی شہید ہوئے جو قاری یعنی حافظ و عالم کہلاتے تھے، اور اسی طرح حفاظ کی تعداد، مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ کے تناسب اور حفظ کی رغبت کے سبب بڑھتی ہی رہی ہے۔ اور یہ تعجب خیز سلسلہ ہر چھوٹے بڑے شہر اور مسلم معاشرے میں جاری ہے، مسلمان قرآن کو ایک سینہ سے دوسرے سینہ اور ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل کرتے رہتے ہیں، اور وہ اس کے حفظ میں وہ مہارت و کمال، اس کی قراءت اور صحیح پڑھنے اور ایک دوسرے سے بڑھ جانے، اس کی تلاوت اور اس کے ذریعہ عبادت کا وہ شوق و شغف رکھتے ہیں کہ عام غیر مسلموں کو اس کا یقین نہیں ہوگا۔ البتہ دیگر مسلم جو کھی اسلامی ماحول میں رہتے، اور مسلمانوں سے تعلق رکھتے ہیں، اس کا کسی قدر اندازہ کر سکتے ہیں، ان حفاظ کی تعداد ہر زمانہ میں حد شمار سے باہر رہی ہے۔ اور اس زمانہ میں تو ان کی تعداد لاکھوں سے متجاوز ہے۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے جانثاروں اور مسلمانوں کے معاملات کے ذمہ دار لوگوں کو اس طرف الہامی طور پر متوجہ کیا تھا۔ جنگ کربلا میں جب کثرت سے حافظ قرآن شہید ہو گئے، تو انہیں اندیشہ ہوا کہ حفاظ کی شہادت سے قرآن کی بقاء کو (اگر اس کا دار و مدار حافظ پر ہی رہا) خطرہ

لاحق ہو سکتا ہے۔ یہ خیال سب سے پہلے حضرت عمرؓ کو ہوا جو صحابہ میں مسلمانوں کی مصلحت و ضرورت کو سمجھنے میں اولیت رکھتے تھے، اور جن کے دل کی آواز اکثر مقاصد شریعت سے ہم آہنگ ہوتی تھی۔ چنانچہ آپ نے حضرت ابو بکرؓ کے سامنے حوغلیفہ وقت تھے، قرآن کو جمع اور قید تحریر میں لانے کی تجویز رکھی جو اس وقت تک چرطے کے ٹکڑوں، کھجور کی چھالوں اور سنگ سفید کی پتھر کی تختیوں پر لکھا ہوا۔ اور لوگوں کے سینوں میں محفوظ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لئے حضرت ابو بکرؓ کو مرجع صدر عطا فرمایا اور انہوں نے اس کام کی ذمہ داری حضرت زید بن ثابتؓ کے سپرد کر دی جنہوں نے اسے پورے اہتمام سے نبھایا اور قرآن کو حافظوں کے سینوں اور کتابان وحی کی تحریروں اور سفینوں سے جمع کیا، اور اس طرح یہ قرآنی مصحف وجود میں آئے جو لوگوں کے رجوع و اعتماد کا محور رہے۔ جب خلیفہ سوم حضرت عثمانؓ کا زمانہ آیا اور فتوحات کی کثرت کے سبب قرآن کے حافظ وقاری مختلف ممالک میں پھیل گئے اور وہاں کے لوگوں نے آنے والے قاریوں اور حافظوں کی قرات قبول کر لی اور اس طرح قراءت کے مختلف طریقے سامنے آنے لگے، نیز اہل عجم کے کثرت سے مسلمان ہونے سے لب و لہجہ میں فرق ہونے لگا اور صحابہ کو اس سے قرآن میں تحریف و تبدیلی کا اندیشہ ہونے لگا تو حضرت عثمانؓ نے عہد صدیقی کے مختلف صحیفوں کو ماخذ بنا کر قرآن کو قراءت متواترہ کے مطابق لکھنے کا حکم دیدیا اور ہر اسلامی آبادی سے قرآن کا ایک ایک نسخہ فراہم کر دیا۔ اور ایک نسخہ مدینہ منورہ میں رکھا جس کا نام "الامام" تھا، قرآن کے انہیں نسخوں کو مشرق و مغرب کے مسلمانوں نے قبول کیا اور اسی پر ان کی نسلیں قائم اور ان کی زبانیں اس کی عادی رہیں انہوں نے قرآن حفظ کیا اس کے ذریعہ اللہ کی عبادت کی اور آج بھی عالم اسلام کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک اسی مصحف عثمانی پر اعتماد کیا جاتا ہے

اور ۲۵ء سے جب یہ آخری ترتیب قائم ہوئی اب تک اس سے اسلامی معاشرہ میں کسی کو نہ اختلاف ہوا اور نہ کسی آثار قدیمہ کے میوزیم اور لائبریری میں کوئی نئی دریافت ہوئی۔ مسٹری سنگا سابق استاد انجسٹریو یورپی کہتے ہیں۔ یورپ کی لائبریریوں میں قرآن کے بہت سے فلمی نسخے ہیں۔ ان میں سب سے پرانا دوسری صدی ہجری کا ہے۔ لیکن ان میں کوئی لفظی اختلاف نہیں، البتہ کتابت کا تھوڑا سا اختلاف ہے جو قدیم عربی خط کے عیب کے سبب سے ہے ایسا ہی خیال نولڈیک (NOELDEKE) نے انسٹیکلو پیڈیا آف ریلیجن تھکس ج۔ ۱ ص ۵۴۷ و ۵۴۹ میں ظاہر کیا ہے۔

مسلمانوں کا اس جمع و تدوین کے کام کے ختم ہونے کے بعد سے اب تک اس قرآن پر اجماع و مکمل اتفاق رہا ہے۔ اور اب تو قرآن تحریف اور حسب مطلب تبدیلی کرنے والوں کی دست برد سے علماء و حفاظ کی کثرت، اور لوگوں کے درمیان اشاعت اور کثرت طبع کے سبب بالکل محفوظ ہو گیا ہے، انسٹیکلو پیڈیا برٹانیکا میں یہ اعتراف موجود ہے کہ :-

”قرآن روئے زمین پر سب کتابوں سے زیادہ پڑھی جانے

والی کتاب ہے۔“ (انسٹیکلو پیڈیا)

مستشرقین اور یورپی محققین جو قرآن کو الہامی کتاب نہیں مانتے جسے بذریعہ وحی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ہو۔ وہ بھی مذکورہ بالا خیال سے متفق ہیں، چنانچہ ہم یہاں کچھ سچی محققین کے اقوال درج کرتے ہیں۔ سر ولیم مور جو اسلام اور پیغمبر اسلام کے متعلق اپنے تعصب کے لئے مشہور ہیں جس کے سبب سے ہندوستانی مسلمانوں کی نئی تعلیم کے علمبردار سر سید احمد خان بانی ”مسلم یونیورسٹی علی گڑھ“ کو ان کی کتاب ”لائٹ آف محمد“ کے جواب میں ”خطبات احمدیہ“ لکھنی پڑی تھی، وہ مذکورہ کتاب میں لکھتے ہیں :-

”حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی وفات کے ربیع صدی بعد کے اندر ہی ایسے شدید مناقشات اور فرقہ بندیاں پیدا ہو گئیں جن کے نتیجے میں حضرت عثمان شہید کر دیئے گئے۔ اور یہ اختلافات آج بھی باقی ہیں۔ لیکن ان سب فرقوں میں قرآن ایک ہی ہے، ہر زمانہ میں تو اتر کے ساتھ ان سبھی فرقوں کا ایک ہی قرآن پڑھنا اس بات کا ناقابل تردید ثبوت ہے کہ آج ہمارے سامنے وہی صحیفہ ہے۔ جو اس بد قسمت خلیفہ کے حکم سے تیار کیا گیا تھا، شاید پوری دنیا میں کوئی دوسری ایسی کتاب نہیں جس کی عبارت بارہ صدیوں تک اس طرح بغیر تبدیلی کے باقی رہی ہو۔ قرآن میں قرأت کے اختلافات بھی حیرت انگیز طور پر بہت کم تعداد میں ہیں اور یہ بھی ان اعزاب کی وجہ سے ہیں، جو بہت بعد کے زمانہ میں لگائے گئے تھے۔“

وجیری (WHERRY) اپنی تفسیر قرآن میں لکھتا ہے کہ ”قام قدیم صحیفوں میں قرآن سب سے زیادہ غیر مخلوط اور خالص (PUREST) ہے“

قرآن کا معروف انگریزی مترجم پالمیر (PALMER) کہتا ہے :-
”حضرت عثمان کا ترتیب دیا ہوا متن اس وقت سے آج تک طے شدہ اور مسلمہ صحیفہ رہا ہے۔“ لین پول (LANE POOLE) کہتا ہے :- ”قرآن کی بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کی اصلیت میں کوئی شبہ نہیں ہے ہر حرف جو ہم آج پڑھتے ہیں۔ اس پر اعتماد کر سکتے ہیں کہ تقریباً تیرہ صدیوں سے غیر تبدیل رہا ہے۔“

(یہ شہادتیں اور اقتباسات مولانا عبدالمجید دریا آبادی کی انگریزی تفسیر سے لے گئے ہیں۔)

ایک سبق

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا ایک اہم سبق یہ ہے کہ اخلاق راہبوں کے گوشہ عزلت کے لئے نہیں ہے، درویشوں کی خانقاہوں کے لئے نہیں ہے، بلکہ دنیا کی زندگی کے ہر شعبے میں برتنے کے لئے ہے جس روحانی اور اخلاقی بلندی کو دنیا فقیروں اور درویشوں میں تلاش کرتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُسے حکومت، مسند اور عدالت کی کوس پر اٹھا لائے آپ نے تجارت کے کاروبار میں خداترزی اور ذہانت سے کام لینا سکھایا۔ آپ نے بتایا کہ ولایت یہ ہے کہ ایک آدمی، ایک حاکم، ایک قاضی، ایک سپہ سالار، ایک تھانیدار، ایک تاجر و صنعت کار اور دوسری تمام ممکنہ حیثیتوں سے ایک پورا دنیا دار بن کر بھی ہر اس موقع پر اپنا خداترزی اور دیانت دار ہونا ثابت کر دے جہاں اس کے ایمان کو آزمائش سے سابقہ پیش آئے اس طرح آپ اخلاق اور روحانیت کو ریسانیت کے گوشوں سے نکال کر معیشت و معاشرت، سیاست و عدالت، صلح اور جنگ کے میدانوں میں لے آئے اور یہاں پاکیزہ اخلاق کی حکمرانی قائم کی۔

یہ اسی رہنمائی کا فیض تھا کہ اپنی نبوت کے آغاز میں جن لوگوں کو آپ نے ڈاکو پایا ان کو اس حالت میں چھوڑا کہ وہ امانت دار اور خلق خدا کی جان و مال اور آبرو کے محافظ بن چکے تھے، جن لوگوں کو حق مارنے والا پایا تھا انہیں حق ادا کرنے والا، حقوق کی حفاظت اور حقوق دلانے والا بنا کر چھوڑا۔ آپ سے پہلے دنیا ان حاکموں سے واقف تھی جو ظلم و جور سے رغبت کو باکر رکھتے تھے، اور اُسکے ادبکے محلوں میں رد کر اپنی

خدا اے کا سکتہ جماتے تھے۔

آپ نے اسی دنیا کو ایسے حاکموں سے روشناس کرایا جو بازاروں میں عام انسانوں کی طرح چلتے تھے اور عدل و انصاف سے دلوں پر حکومت کرتے تھے۔ آپ سے پہلے دنیا اُن فوجیوں سے واقف تھی جو کسی ملک میں گھسے تو ہر طرف قتل عام، ربا کرتے، لبتیوں کو آگ لگاتے اور مفتوح قوم کی عورتوں کو بے آبرو کرتے پھرتے تھے۔

آپ نے اس دنیا کو ایسی فوجوں سے متعارف کرایا جو کسی شہر میں فاتحانہ داخل ہوئے تو دشمن کی فوج کے ہوا کی پر دست درازی نہ کرتی تھیں اور فتح کئے ہوئے شہر سے دلپس ہوتی تو اہل شہر سے وصول کئے ہوئے ٹیکس تک دلپس کر دیتی تھیں۔ انسانی تاریخ ملکوں اور شہروں کی فتح کے قصوں سے بھری پڑی ہے۔ مگر فتح مکہ کی کوئی نظیر آپ کو تاریخ میں نہ ملے گی۔ جس شہر کے لوگوں نے تیرہ برس تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ظلم اور ستم ڈھایا تھا اسی شہر میں آپ کا فاتحانہ داخلہ اس شان سے ہوا تھا کہ آپ کا سر خدا کے آگے جھکا بار ہا تھا۔ آپ کی پیشانی اونٹ کے کبادے سے لگی جا رہی تھی اور آپ کے طرز عمل میں غرور و تکبر کا شائبہ نہ تھا۔

وہی لوگ جو تیرہ برس تک آپ پر ظلم و ستم کرتے رہے تھے جنہوں نے آپ کو ہجرت پر مجبور کر دیا تھا اور ہجرت کے بعد بھی آٹھ برس تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے برسرِ جنگ رہے تھے۔ جب مغلوب ہو کر آپ کے سامنے پیش ہوئے تو انہوں نے آپ سے رحم و کرم کی التجا کی۔ اور آپ نے انتقام لینے کی بجائے فرمایا :

”آج تم پر کوئی گرفت نہیں، جاؤ تم“

چھوڑ دیئے گئے۔“ (سیرت سرور عالم ص ۳۳۵)

شکرینہ مجلہ ملتان شمارہ نمبر ۳۳۵